امام ابنِ کثیرؒ کے روایاتِ سیرت میں اُصولِ جمع ونقد

Imam Ibne Kathīr's collecting and analyzing principals in Seerah narrations

عائشہ ذوالفقار احمد*

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی**

ISSN (P) 2664-0031 (E) 2664-0023
DOI: 10.37605/fahmiislam.v4i2.306

Received: Nov,29,2021
Accepted: Dec,30, 2021
Published: Dec 30,2021

Abstract

Imam Ibn e Kaseer's personality as biographer has been extraordinary. He is among the celebrated scholars of the 8th century. A big part on prophet's biography is preserved and well placed in his book "Albidaya Walnihaya البداية) والنهاية). His manner of biography writing has been unique and diverse. The basic reasons for this are those principles and rules that he kept in view while writing the biography of Holy Prophet ﷺ. There is no doubt that in this biography of Holy Prophet ﷺ there is huge collection of narrations which has been collected from diverse and innumerable sources. He has examined these narrations on prophet's biography on his own principles and rules and researched them. In writing this review, the said principles and rules will be further elaborated that have been observed in compiling the biography of Holy Prophet ﷺ.

Keywords: Imam Ibn e Kaseer, Albidaya Walnihaya , biography, Holy Prophet ﷺ .

ابتدائیہ:

امام ابنِ کثیرؒ کی شخصیت بطور سیرت نگار ممتاز رہی ہے۔ آپؒ آٹھویں صدی ہجری کے جید شامی علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپؒ کی تاریخ کی کتاب "البدایۃ والنھایۃ" میں سیرت کا ایک ضخیم حصہ محفوظ اور مزین ہے. آپؒ کی سیرت نگاری کا اُسلوب چند وجوہات کی بناء پر منفرد اور جداگانہ رہا ہے اور اس کی بنیادی وجہ وہ اُصول و قواعد ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے آپؒ نے سیرت النبی ﷺ تحریر کی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ

* پی ایچ ڈی سکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

** پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

آپؒ کی اس سیرتِ نبوی ﷺ میں روایات کا ایک ذخیرہ موجود ہے جو کہ متنوع اور کثیر التعداد مصادر و ماخذ سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ آپؒ نے اپنے اُصول اور قواعد و ضوابط کے تحت ان روایاتِ سیرت کو جانچا ہے اور ان کی تحقیق کی ہے۔ زیرِ نظر تحریر میں ان اُصول و ضوابط کو بیان کیا جائے جن کی روشنی میں آپؒ نے سیرت النبی ﷺ مرتب کی ہے۔

زیرِ نظر مقالہ میں ہمارا عنوان "سیرت النبی ﷺ" میں ان کی ذکر کردہ روایات کے سلسلہ میں آپؒ کے "اُصولِ جمع و نقد" ہیں۔ چنانچہ یہاں ان کے چند اُصول و ضوابط کو بیان کیا جائے گا جو آپؒ نے سیرت النبی ﷺ تحریر کرتے ہوئے اپنائے ہیں:

متنِ روایت کا نصِ قرآنی سے موازنہ:

سیرت کے موضوع پر امام ابنِ کثیرؒ کا روایات کو قبول کرنے میں اہم اُصول یہ رہا ہے کہ وہ حدیث کے متون کا قرآن حکیم کی نص سے موازنہ کرتے ہیں۔ یعنی وہ دیگر اصحابِ سیر کی طرح روایات کو صرف نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ روایات کو ذکر کرنے کے بعد بعض مقامات پر اس کے متن کا نصِ قرآنی سے موازنہ بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپؒ بخاری میں درج واقعۂ اسراء کے بارے میں حضرت انسؓ بن مالک سے شریک بن عبداللہؒ والی روایت "... حتّی جاء سدرة المنتهی، ودنا الجبّار ربّ العزّة فتدلّی، حتّی کان منه قاب قوسین أو أدنی..."[1] نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روایت میں شریک بن عبداللہؒ کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کو دیدارِ الٰہی ہوا۔

امام ابنِ کثیرؒ نے اس روایت کا قرآن پاک کی نص سے موازنہ کیا اور شریک بن عبداللہؒ کی روایت سے سمجھ آنے والی غلط فہمی کا ازالہ ان الفاظ میں کیا:

> "یہ جبرائیل کو اصلی شکل و صورت میں دوبارہ دیکھنے کا موقع تھا، جیسا کہ ابنِ مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، ابو ذرؓ اور عائشہؓ سے منقول ہے۔ بلکہ اس سے بھی مضبوط دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ہے۔ اس وقت آپ ﷺ ابطح کے مقام پر تھے۔ آپ ﷺ نے جبرائیلؑ کو دیکھا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان اکثر اُفق کو محیط تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کے مابین فاصلہ دو کمان یا اس سے بھی کم تھا۔ یہی صحیح تفسیر ہے جیسا کہ اکابر صحابہ سے منقول ہے۔[2]

نیز وہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ انسؓ میں جو یہ منقول ہے کہ "اللہ رب العزت آپ ﷺ کے قریب ہوا یہاں تک کہ فاصلہ دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم رہ گیا" تو یہ محض راوی کا اپنا خیال ہے جو اس نے اس حدیث میں "درج" کر دیا ہے"۔[3]

اس اصول کی دوسری مثال قرآنِ پاک کی آیت مبارکہ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ[4] ہے۔ اس آیت میں مذکورہ لفظ "سجل" کے بارے میں بعض مفسرین اور اصحاب سیر و تاریخ کا خیال ہے کہ "سجل" (نامی شخص) کاتبینِ وحی میں سے ہے۔ چنانچہ آپؒ یوں رقمطراز ہیں: **ومنهم السجل، كما ورد به الحديث المروي في ذلك عن ابن عباس – إن صح – وفيه نظر**[5]۔ نیز ابوداود کی روایت کے الفاظ یوں ہیں "**السجل كاتب للنبي صلى الله عليه وسلم**[6] یعنی "سجل" آپ ﷺ کے کاتب ہیں۔

امام ابنِ کثیرؒ نے "سجل" کے بارے میں ذکر کردہ تمام روایات کا عمدہ طریقے سے تعاقب کرتے ہوئے ان میں سے بعض کو ضعیف، بعض کو منکر اور بعض کو موضوع قرار دیا ہے اور مزید یہ بھی کہا ہے کہ "سجل" نام کا کوئی شخص بھی کاتبینِ وحی میں شامل نہ تھا۔ اگر اس نام کا کوئی شخص ہوتا تو لازماً اس کا صحابۂ کرام میں تذکرہ بھی ہوتا اور اس سے کوئی روایت بھی منقول ہوتی۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ سجل کو کاتبِ وحی قرار دینے والی ابن عمرؓ کی روایت صرف ابنِ نمیر نے نقل کی ہے اور یہ روایت ابنِ عباسؓ کی روایت کی طرح منکر ہے۔ نیز یہ بھی کہا کہ اِن دونوں حضرات سے اس قول کے برعکس بھی مروی ہے۔ چنانچہ انہوں نے لفظ "سجل" کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے والبی اور عوفی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے لفظ "سجل" کی تفسیر "جیسے کتاب لپیٹی جاتی ہے" سے کی ہے اور مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ معتبر مفسر ابنِ جریرؒ بھی کہتے ہیں کہ لغت میں "سجل" کا معنی "صحیفہ" ہی معروف ہے"۔[7]

روایاتِ متواترہ سے استدلال:

اگر کوئی واقعہ روایات متواترہ یا روایاتِ مشہورہ سے منقول ہو تو ایسے واقعات کو بیان کرنے کے بعد امام ابنِ کثیرؒ رواۃ پر جرح و تعدیل یا متن کے نقد کی طرف زیادہ التفات نہیں کرتے بلکہ ایسے واقعات، ان کے مستدلات اور روایات کو ذکر کرنے کے بعد مختصر الفاظ میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں کہ اس واقعہ یا روایت کا تواتر سے نقل ہونا ہی واقعہ کے اثبات کی دلیل ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے صحابیِ رسول ابو طلحہؓ کے گھر میں ضیافت کے دوران کھانے میں برکت والا قصہ متعدد روایات سے بیان کرنے کے بعد اپنا تجزیہ یوں دیا ہے:

"فهذه طرق متواترة عن أنس بن مالك رضي الله عنه أنّه شاهد ذلك على ما فيه من اختلاف عنه في بعض حروفه، ولكن أصل القصّة متواتر لا محالة كما ترى".[8]

اسی طرح شق قمر والے معجزہ کو بیان کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا ہے کہ اس واقعہ کے بارہ میں متعدد روایات منقول ہیں، جو تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں۔ نیز قرآن مجید میں بھی اس واقعہ کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ روایت نقل کی:

"وقد روى البخاريّ ومسلم هذا الحديث من طريق شيبان. زاد البخاريّ وسعيد بن أبي عروبة وزاد مسلم وشعبة ثلاثتهم عن قتادة عن أنس: أنّ أهل مكّة سألوا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن يريهم آيةً فأراهم القمر شقّتين حتّى رأوا حراءً بينهما".[9]

اور پھر اس واقعہ کی متواتر روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن کثیرؒ نے اس بحث کو یوں سمیٹا:

''نبی کریم ﷺ کے عہد میں معجزہ شقِ قمر کے ظہور پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، اس سلسلے میں بے شمار احادیث متعدد اسناد سے مروی ہیں۔ جو لوگ اس معاملہ کو سمجھتے ہیں اور اس میں گہری نظر رکھتے ہیں' ان کے لیے یہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔ اور یہ (شق قمر کا معجزہ) انس بن مالکؓ، جبیر بن مطعمؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات میں (بھی) مروی ہے۔''[10]

روایات کا احادیثِ صحیحہ سے موازنہ:

امام ابنِ کثیرؒ روایات کے اخذ و قبول میں روایات کو نقل کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ وہ بعض مقامات پر ان روایات کا صحیح احادیث سے موازنہ بھی کرتے ہیں۔ اس کی مثال مہرِ نبوت والی احادیث ہیں، جن میں انہوں نے واقدی سے منقول روایات کو صحیح احادیث کی روشنی میں جانچا ہے۔ امام ابنِ کثیرؒ نے واقدی کی ایک روایت ان کے شیخ کے واسطے دلائل النبوة للبيهقي سے یوں نقل کی ہے:

"قالوا: ولمّا شكّ في موت النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم. فقال بعضهم مات! وقال بعضهم لم يمت، وضعت أسماء بنت عميس يدها على كتفي رسول

اللّه صلّى الله عليه وسلّم فقالت: قد توفّي رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وقد رفع الخاتم من بين كتفيه، فكان هذا الّذي قد عرف به موته". [11]

اس روایت پر امام ابن کثیرؒ نے اپنے اضطراب کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"دلائل النبوۃ میں امام بیہقیؒ نے یہ روایت بسند واقدی بیان کی ہے، جو ضعیف ہیں اور ان کے شیوخ اور اساتذہ نا معلوم ہیں، اس کے علاوہ یہ (روایت) منقطع ہے اور صحیح روایات سے میل نہیں کھاتی اور مہرِ نبوت کا اٹھ جانا بھی بھی نہایت غریب اور انوکھا معاملہ ہے۔ واقدی وغیرہ نے (آپ ﷺ کی) وفات کے متعلق متعدد روایات بیان کی ہیں، ان میں سخت نامانوسیت اور انوکھا پن پایا جاتا ہے، ان کی اسناد کمزور اور متنِ حدیث کے عجوبہ پن کی وجہ سے ہم نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ خصوصاً متاخرین قصہ گو جو احادیث روایت کرتے ہیں' ان میں سے اکثر یقینی طور پر موضوع ہیں۔ کتابوں میں صحیح احادیث اور حسن روایات کے ہوتے ہوئے موضوع قصوں اور بے سند واقعات کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے"۔[12]

اس کی ایک اور مثال آپؒ نے یعفور گدھے کی بیان کی ہے، جو ﷺ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے ہمکلام ہوا۔ اس روایت کو ابو نعیمؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا:

"ثمّ قال أبو نعيم............. قال: أتى النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم – وهو بخيبر – حمار أسود فوقف بين يديه فقال: من أنت؟ فقال: أنا عمرو بن فهران، كنّا سبعة إخوة ولكنا ركبنا الأنبياء وأنا أصغرهم، وكنت لك فملكني رجل من اليهود، وكنت إذ أذكرك عثرت به فيوجعني ضربًا، فقال النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم فأنت يعفور.[13]

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ابنِ کثیرؒ نے اس روایت کو صحیح احادیث کے تناظر میں رد کرتے ہوئے کہا: **وهذا الحديث فيه نكارة شديدة ولا يحتاج إلى ذكره مع ما تقدّم من الأحاديث الصّحيحة الّتي فيها غنية عنه.**[14] یعنی ایسی روایت کا ذکر بے سود ہے۔

یوں امام ابنِ کثیرؒ کی اس رائے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے روایاتِ سیرت کو نقل کرنے کے بعد ان کا صحیح احادیث سے موازنہ کرتے ہوئے انہیں قبول یا رد کیا ہے۔اس طرح ان کا قبول واخذِ روایت کا محتاط انداز ورویہ عیاں ہوتا ہے۔

روایات میں جمع و تطبیق:

امام ابنِ کثیرؒ نے سیرت نگاری کرتے ہوئے جس اہم کام کا اہتمام کیا ہے وہ روایات میں جمع و تطبیق ہے۔وہ متعارض روایات کے تعارض کو دور رکھنے میں مہارت رکھتے ہیں۔لہٰذا وہ تفکر و تدبر اور تحقیق و جستجو کے بعد ایسی روایات جو بظاہر متعارض ہوں اور ان کے مابین تطبیق پیدا کرنا ممکن ہو تو وہ ان روایات کی نشاندہی کرتے ہوئے ممکنہ حد تک ان کے درمیان تطبیق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔بظاہر متضاد روایات کی نشاندہی اور ان کے درمیان مطابقت پیدا کرنا ان کی دقتِ نظری اور بصیرت پر دال ہے۔چنانچہ امام ابنِ کثیرؒ نے جمع و تطبیق میں جو اُصول روایات شقِ صدر میں اختیار کیا ہے وہ کسی واقعہ کے تعدد کو قبول کرتے ہوئے روایات کو جمع کرنا ہے۔مثال کے طور پر شقِ صدر کے بارے میں بحث ہے کہ آپ ﷺ کا شقِ صدر کتنی دفعہ ہوا؟ مختلف روایات سے مستخرج ہونے والے اقوال کا خلاصہ یہ ہے:

1. بچپن میں آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا
2. نزولِ وحی کے وقت
3. واقعہ اسراء کی رات

ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد امام ابنِ کثیرؒ شقِ صدر کی روایات میں تطبیق دیتے ہوئے اپنی رائے یوں دیتے ہیں:

"**وغسل صدره تلك اللّيلة قبل الإسراء غسلًا ثانيًا – أو ثالثاً – على قول أنه مطلوب إلى الملأ الأعلى والحضرة الإلهيّة**".[15] یعنی اسراء سے پہلے اس رات آپ ﷺ کے سینے کے غسل کا واقعہ دوسری یا تیسری بار ہوا ہو۔ایک قول کے مطابق یہ ملاء اعلیٰ اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کے لئے ضروری تھا۔پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:"**ولا منافاة لاحتمال وقوع ذلك مرّتين مرّةً وهو صغير ومرّةً ليلة الإسراء ليتأهّب للوفود إلى الملأ الأعلى ولمناجاة الرب عزوجل والمثول بين يديه تبارك وتعالى**".[16] یعنی یہ روایات متضاد نہیں کیونکہ یہ قوی احتمال ہے کہ ایک بار شقِ صدر بچپن میں ہوا اور دوسری بار

اسراء کی رات میں ہوا ہو تاکہ ملاء اعلیٰ کے پاس جانے کی خاطر، مناجاتِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے لئے آپ ﷺ کو تیار کیا جاسکے۔

امام ابنِ کثیرؒ نے جمع و تطبیق کرتے ہوئے بعض مقامات پر روایات کی تاویل و توجیہ بھی کی۔ مثلاً حضرت اُمِ حبیبہؓ کا آپ ﷺ کے نکاح کی تاریخ میں اختلاف والی روایات کے بارے میں اُنہوں نے کہا ہے کہ بظاہر اختلاف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ امِ حبیبہؓ کا نکاح ٦ ہجری میں ہوا[17] جیسا کہ روایات میں درج ہے اور مسلم کی ایک روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا نکاح آپ ﷺ سے فتح مکہ کے بعد ہوا۔

کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت اُمِ حبیبہؓ کے ساتھ نکاح فتح مکہ کے بعد ابوسفیانؓ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد کیا۔ چنانچہ مسلم کی روایت ہے کہ ”ابوسفیان نے عرض کیا یارسول ﷺ آپ میری تین باتیں منظور فرمالیں، آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے عرض کیا آپ ﷺ مجھے اسلامی لشکر کا امیر مقرر کردیں جیسا کہ میں کفار کے لشکر کا امیر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے منظور ہے، پھر اُنہوں نے کہا کہ معاویہ کو کاتب مقرر کرلیں، آپ ﷺ نے فرمایا منظور ہے، پھر اُنہوں نے کہا میرے پاس عرب کی حسین و جمیل دوشیزہ اُمِ حبیبہ بنتِ سفیان ہے، میں اُس کو آپ ﷺ کی زوجیت میں دیتا ہوں“۔[18]

امام ابنِ کثیرؒ نے ان مذکورہ روایات کے مابین تطبیق دیتے ہوئے کہا کہ ”یہ سب وجوہ ضعیف اور کمزور ہیں اور سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ ابوسفیانؓ نے عزت و احترام کی خاطر اپنی دوسری بیٹی کو بھی آپ ﷺ کی زوجیت میں دینے کا ارادہ کیا تھا اور اس سلسلے میں اُنہوں نے حضرت اُمِ حبیبہؓ سے تعاون بھی حاصل کیا تھا جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے اور حضرت اُمِ حبیبہؓ کا نام ذکر کرنے میں راوی سے وہم ہوا ہے اور ہم نے اس سلسلہ میں ایک مفرد روایت بھی بیان کی ہے“۔[19]

جمہور کے اقوال کو ترجیح دینا:

مفسرین اور دیگر سیرت نگاروں کی طرح امام ابنِ کثیرؒ نے بھی روایاتِ سیرت کے اخذ و قبول میں یہ اہم اُصول اختیار کیا ہے کہ جن واقعات میں اختلاف ہو ان میں جمہور کے اقوال کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سن ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے، مگر امام ابن کثیرؒ نے آپ ﷺ کی ولادت عام الفیل کے سال ہی ہونے والے جمہور کے قول کو اختیار کیا ہے اور ابنِ اسحاق کا قول نقل کیا: **"كان مولده عليه الصّلاة والسّلام عام الفيل وهذا هو المشهور عن الجمهور"**.[20] پھر اس موقف کی تائید میں ابراہیم بن

منذر حزامیؒ "کا قول بھی ذکر کیا کہ "کسی اہلِ علم کو اس بات میں شک وشبہ نہیں کہ رسول ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے اور واقعہ فیل کے چالیس سال بعد مبعوث ہوئے"۔[21] اس کے بعد خلیفہ بن خیاطؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ **"والمجتمع عليه أنّه عليه السّلام ولد عام الفيل".**[22]

اہلِ علم کی اِن آراء کو ذکر کرنے کے بعد اپنا مؤقف دیتے ہوئے کہتے ہیں "غرضیکہ بقول جمہور رسول ﷺ کی ولادت حادثہ فیل کے سال ہی اس واقعہ کے ایک ماہ چالیس دن یا پچاس دن کے بعد ہوئی اور پچاس والا قول زیادہ مشہور ہے۔[23]

اس اصول کی دوسری مثال ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کا "سوموار" ہونے پر جمہور کے مسلک کی تائید اور متابعت اختیار کرنا ہے۔[24]

بعض روایات کی طرف عدمِ التفات کرنا:

امام ابنِ کثیرؒ بعض روایات کی طرف عدمِ التفات کرتے ہوئے انہیں ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ اپنی تحریر میں ضمناً ان کو نہ ذکر کرنے کی طرف تلمیح اور اشارہ کرتے ہوئے وجہ بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً زینب بنتِ جحشؓ سے آپ ﷺ کے نکاح کے بارے میں ایک روایت بعض کتب میں منقول ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں اس روایت کو نقل نہ کرنے کی وجہ یوں بیان کی کہ "حضرت زینبؓ سے آپ ﷺ کی شادی کے بارے میں متعدد مفسرین، فقہاء اور مؤرخین نے ایک روایت بیان کی ہے، جس کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے، ہم نے اس کو قصداً ذکر نہیں کیا، تاکہ بے سمجھ آدمی اس سے غلط مفہوم اخذ نہ کر سکے۔[25]

اس اصول کی ایک اور مثال نبی کریم ﷺ کی رضاعت والا قصہ ہے۔ امام ابنِ کثیرؒ اس قصہ کو ذکر نہ کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: **وقد روى أبو نعيم الحافظ في الدّلائل من طريق عمر بن الصّبح وهو أبو نعيم عن ثور بن يزيد عن مكحول عن شدّاد بن أوس هذه القصّة مطوّلةً جدًّا ولكنّ عمرو بن صبح هذا متروك كذّاب متّهم بالوضع. فلهذا لم نذكر لفظ الحديث إذ لا يفرح به.**[26]

روایت کے متن پر نقد:

چونکہ امام ابنِ کثیرؒ کو ایک محدث کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں، اس لیے اُنھوں نے روایات کو نقل کرتے ہوئے جہاں راویوں پر جرح وتعدیل کی ہے وہیں ادراج وابدال پر بھی کھل کر بات کی ہے۔

ادراج فی متن الحدیث سے مراد روایت کے متن میں راوی کا اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ ہے، جب کہ ابدال فی متن الحدیث سے مقصود روایت کے متن کی ترتیب میں تبدیلی ہے۔ اس سے بہت سے اشکال و ابہام پیدا ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے روایات میں اس کی نشاندہی کرنے کو اپنی اولین ترجیح میں شامل کیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے جحفہ کے قریب غدیرِ خم کے موقع پر بیان کی جانے والی روایت میں ادراج کی نشاندہی کی ہے۔ جحفہ کے قریب غدیر خم کے موقع پر حضور ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں حضرت علیؓ کی شان "**من كنت مولاه فعليّ مولاه**".[27] کہہ کر بیان کی۔ انہوں نے آپ ﷺ کے اس قول کو متعدد اسناد سے نقل کیا اور اس کے بعد متعدد روایات جن میں الفاظ "**وال من والاه، وعاد من عاداه**" کا اضافہ کیا گیا ہے وہ بھی بیان کیں۔

ان دونوں طرح کی روایات کو ذکر کرنے کے بعد امام ابنِ کثیرؒ اس روایت میں ادراج کی نشاندہی ان الفاظ میں کرتے ہیں "**وصدر الحديث متواتر أتيقّن أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قاله وأمّا اللّهمّ وال من والاه فزيادة قويّة الإسناد**".[28] یعنی اس حدیث کے ابتدائی کلمات "**من كنت مولاه فعليّ مولاه**" تو یقیناً رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں سے ہیں اور "**اللّهمّ وال من والاه**" کا اضافہ بھی مضبوط سند سے مروی ہے۔

ابدال فی متن الروایۃ کی مثال حدیث اسراء یعنی اسراء کے موقع پر شریک بن عبداللہ بن نمیرؒ کی حضرت انسؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے[29]۔ اس روایت کے برعکس صحیحین میں مروی روایت سے انبیاء کی ترتیب یوں بیان کی ' آپ ﷺ معراج والی رات چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے پاس سے گزرے تو جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ موسیٰ ہیں تو حضور ﷺ نے انہیں سلام کیا۔۔۔۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ساتویں آسمان پر ہے اور یہی محفوظ ہے''۔[30] نیز وہ فرماتے ہیں "**وما وقع في حديث شريك ابن أبي نمير عن أنس في حديث الإسراء من أنّ إبراهيم في السّادسة وموسى في السّابعة فممّا انتقد على شريك في هذا الحديث والصّحيح الأول**".[31]

روایت کی تنقیح وترجیح کا اُصول:

جن متضاد روایات میں تطبیق ممکن نہ ہو امام ابنِ کثیرؒ ان کو نقل کرنے کے بعد ان کی تنقیح کرتے ہوئے ایک مستند روایت کی روشنی میں ایک روایت کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیتے ہیں اس طرح اشکال وابہام دور ہو جاتے ہیں اور قارئین کے سامنے حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ ذیل میں دی گئی مثالوں سے یہ اُصول واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

امام ابنِ کثیرؒ سورۃ المائدۃ کی آیت مبارکہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ کے یوم نزول میں اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بارے میں عمرو بن بکیر والی روایت میں درج ہے کہ یہ سورت سوموار کے دن یا غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی۔[32]

ایک اور روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ "حضور ﷺ نے (غدیر خم کے موقع پر) حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر یہ جملہ ارشاد فرمایا "جس کا میں ولی ہوں علی بھی اس کے ولی ہیں"، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ نازل فرمائی"۔[33]

اس کے علاوہ صحیحین میں مذکور ہے کہ یہ آیت جمعہ کے روز اور عرفہ کے دن پچھلے پہر نازل ہوئی۔[34]

ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد امام ابنِ کثیرؒ نے ترجیح بین الروایتین کا اُصول اپناتے ہوئے ابن لہیعہ اور ابو ہریرہؓ سے منقول روایات کو صحیحین کی روایت کے مقابلے میں مرجوح قرار دیا ہے اور ان الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے "**فإنّه حديث منكر جدًّا بل كذب لمخالفته لما ثبت في الصّحيحين عن أمير المؤمنين عمر بن الخطّاب أنّ هذه الآية نزلت في يوم الجمعة يوم عرفة**".[35]

اگر امام ابنِ کثیرؒ کے منہجِ سیرت نگاری کا دقتِ نظری سے مطالعہ کیا جائے تو ان کے اوپر بیان کردہ روایاتِ سیرت کے اخذ وقبول کے اُصولوں کے علاوہ بھی مزید اُصول 'مثلاً روایات میں بیان واقعات کا عقلی محاکمہ، تاریخ اور سیرت کے مسلمات کی روشنی میں روایات کی تحقیق اور اسناد و رواۃ پر بحث بھی' مستخرج اور مستنبط ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

حاصل یہ ہے کہ امام ابنِ کثیرؒ احادیث وروایاتِ سیرت کو مکمل سند کے ساتھ بیان کرتے ہوئے راویوں پر جرح وتعدیل اور روایت کی صحت اور عدم صحت پر اپنی رائے دیتے ہیں۔اس ضمن میں بعض اوقات وہ خود بھی رواۃ پر نقد کرتے ہیں، جب کہ بعض اوقات آئمہ جرح وتعدیل کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ان کے متعین کردہ اُصولوں میں سے ایک اہم اُصول روایات کے متن کی غیر جانبدارانہ تحقیق ہے۔تاہم اُنہوں نے بعض مقامات پر ضعیف روایات کو نقل کیا ہے لیکن اس کا مقصود روایات پر جرح ونقد کرنا، ضعف کی وجہ بیان کرنا یا کسی اعتراض وغیرہ کا جواب دینا ہوتا ہے۔انہوں نے مؤرخانہ اُسلوب اپناتے ہوئے سیرت اور تاریخ کے مسلمات کی روشنی میں روایات میں درج واقعات اور معلومات کی تحقیق کی ہے اور غلط معلومات پر نقد کرتے ہوئے درست تفصیل اور واقعہ کی نشاندہی بھی کی ہے۔وہ اپنے ایک اُہم اصول کے تحت علمائے سیرت اور محدثینِ کرام کے اقوال ذکر کرتے ہوئے بعض متفقہ امور میں جمہور کے مسلک کی تائید اور متابعت کرتے ہیں۔جمہور کے اقوال اور نقطۂ نظر کو من وعن قبول نہیں کرتے بلکہ خود تحقیق کرتے ہوئے ضعیف اور مستند روایات کو نقل کر کے انہیں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

بعض مقامات پر روایات میں راجح ومرجوح کا تعین بھی کرتے ہیں۔انہوں نے مختلف فیہ روایات میں ممکنہ طور پر جمع وتطبیق کے اُصول کو بھی اپنایا ہے اور بہت سے اشکال وابہام کا ازالہ بھی کیا ہے۔وہ جابجا اور متعدد مقامات پر اس اہم اُصول کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ ہم سیرت میں موضوع روایات کو شامل کرنے سے گریز کریں گے اور ضمناً ان روایات کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کو نقل نہ کرنے کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دیتے ہیں، جو کہ ان کی علمی دیانت کا ثبوت ہے۔ان تمام اُصولوں کو اپنانے کا ایک اہم مقصد جو قارئین کے سامنے آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی معتبر اور اعلیٰ سیرت کی کتاب لکھنے کے متلاشی تھے جو کہ مستند اور معتبر روایات کا مجموعہ ہو اور وہ اس مقصد میں متقدمین سیرت نگاروں کی نسبت بہت حد تک کامیاب نظر آتے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہی کڑے اور سخت تحقیقی اور تنقیدی اُصول ہیں، جن کا خصوصی اہتمام اور التزام کرتے ہوئے انہوں نے سیرت النبی ﷺ تحریر کی ہے۔

اگرچہ بہت سے مقامات پر ابنِ کثیرؒ نے رطب ویابس جمع کرتے ہوئے اپنے مذکورہ بالا اُصولوں سے صرفِ نظر بھی کیا ہے اور بعض اسرائیلیات، موضوع، متروک اور ضعیف احادیث کو بھی ذکر کیا ہے۔مگر ہماری

ناقص رائے کے مطابق ان کا ایسی روایات کو ذکر کرنا مابعد آنے والے لوگوں کے ذمہ ان کی تحقیق کا کام سپرد کرنا ہے اور یہی علمی دیانتداری کا تقاضہ ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه، (بيروت: دارإحياء التراث العربي)،كتاب التوحيد، باب: وكلم الله موسى تكليماً، رقم الحديث: 7517.

Muḥammad ibn Ismā'īl Abul Abdullah al-Bukhārī, Sahih Bukhari, Kitab al Tauheed, Baab Wakallamallaho Moosa Takleema, Hadith No. 7517.

[2] أبو الفداء عمادالدين إسماعيل بن عمر بن كثير، البداية والنهاية، (بيروت ، دار إحياء التراث العربي، 1408ھ/١٩٨٨م)، ٣: ١٣٩.

Abu al-Fiḍā 'Imād Ad-Din Ismā'īl ibn 'Umar ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, (Beirut, Dar ihya al turath al arabi, 1408AH/1988AD), 3:139.

[3] أبو الفداء عمادالدين إسماعيل بن عمر بن كثير، البداية والنهاية، (بيروت ، دار إحياء التراث العربي، 1408ھ/١٩٨٨م)، ٣: ١٣٩.

Abu al-Fiḍā 'Imād Ad-Din Ismā'īl ibn 'Umar ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, (Beirut, Dar ihya al turath al arabi, 1408AH/1988AD), 3:139.

[4] الأنبياء ٢١: ١٠4.

Al-Anbiya, 21:104.

[5] ابن كثير، البداية والنهاية، 5: 369.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 5:369.

[6] سليمان بن الأشعث بن إسحاق أبو داود السجستاني، سنن أبي داود، (بيروت: دارإحياء التراث العربي)، باب: في إتخاذ الكاتب، رقم الحديث: 2935.

Sulaymān ibn al-Ash'ath ibn Isḥāq Abu Dawud al-Sijistānī, Sunan Abu Dawood, Baab Fi Ittikhadilkatib, Hadith No. 2935.

[7] ابن كثير، البداية والنهاية، 5: 370.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 5:370.

[8] أيضاً

Ibid.

[9] ابن كثير، البداية والنهاية، 3: 147.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 3:147.

[10] ابن كثير، البداية والنهاية، 3: 146.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 3:146.

[11] أحمد بن الحسين بن علي الخراساني المعروف بـ أبوبكر البيهقي، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، (بيروت، دارالكتب العلمية، 1405ھ)، 7: 219.

Aḥmad ibn Ḥusayn Ibn 'Alī al-Khosrasani alias Abubakar al-Bayhaqī, Dala'il al-Nubuwwah, (Beirut, Dar ul Kutub Al Ilmiyah, 1405AH), 7:219.

[12] ابن كثير، البداية والنهاية، 5: 264.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 5:264.

[13] أحمد بن عبدالله أبونعيم الأصبهاني، دلائل النبوة، (بيروت، دارالنفائس، 1406ھ)، 1: 386.

Ahmad ibn `Abd Allāh Abu Nu`aym al-Isfahani, Dala'il al-Nubuwwah, (Beirut, Dar Al Nafais, 1406AH), 1:386.

[14] ابن كثير، البداية والنهاية، 6: 322.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 3:322.

[15] ابن كثير، البداية والنهاية، 3: 138.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 3:138.

[16] ابن كثير، البداية والنهاية، 2: 337.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 2:337.

[17] أبو عبد الله محمد بن إسحاق بن مَنْدَه العبدي ، معرفة الصحابة ، (مطبوعات جامعة الإمارات العربية المتحدة، 1426هـ)،1: 952.

Abū ʿAbdullāh Muḥammad bin Isḥāq Ibn Manda Al Abdi, Marifatussahaba, United Arab Emirates University Publications, 1426AH), 1:952.

[18] مسلم بن الحجاج بن مسلم أبو الحسين النيسابوري، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب من فضائل أبي سفيان بن حرب رضي الله عنه، (بيروت: دارإحياء التراث العربي)، رقم الحديث: 168.

Muslim ibn al-Ḥajjāj ibn Muslim Abū al-Ḥusayn an-Naysābūrī, Ṣaḥīḥ Muslim, (Beirut, Dar ihya al turath al arabi), Hadith No. 168.

[19] ابن كثير، البداية والنهاية، 4: 165.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 4:165

[20] ابن كثير، البداية والنهاية، 2: 321.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 3:321

[21] أيضاً.

Ibid.

[22] ابن كثير، البداية والنهاية، 2: 322.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 2:322.

[23] ابن كثير، البداية والنهاية، 2: 321.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 2:321.

[24] ابن كثير، البداية والنهاية، 2: 319.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 2:319.

[25] ابن كثير، البداية والنهاية، 4: 166.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 4:166.

[26] ابن كثير، البداية والنهاية، 4: 336.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 4:336.

[27] أحمد بن حنبل، المسند ، رقم الحديث:54922.

Aḥmad Ibn Ḥanbal, Al Mosnad, Hadith No. 54922.

[28] أيضاً.

Ibid.

[29] البخاري، الجامع المسند الصحيح ، كتاب التوحيد، باب: وكلم الله موسى تكليماً، رقم الحديث: 7517ۃ.

Al-Bukhārī, Sahih Bukhari, Kitab al Tauheed, Baab Wakallamallaho Moosa Takleema, Hadith No. 7517.

[30] ابن كثير، البداية والنهاية، ١: 365.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 6:365.

[31] ابن كثير، البداية والنهاية، ١: 196.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 1:196.

[32] ابن كثير، البداية والنهاية، ١: 319.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 1:319.

[33] ابن كثير، البداية والنهاية، ١: 233.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 1:233.

[34] البخاري، الجامع المسند الصحيح ، باب حجة الوداع، رقم الحديث: **4407**.

Al-Bukhārī, Sahih Bukhari, Baah Hajjtul Wadaa, Hadith No. 4407.

[35] ابن كثير، البداية والنهاية، **5**: **233**.

Ibn Kathīr, Al-Bidaya wa'l-Nihaya, 5:33.